

پیر نصیر الدین نصیر گیلانی: روایتی اور جدید غزل نگاری کا امتزاج

Pir Naseeruddin Naseer Gilani: A Synthesis of Traditional and Modern Ghazal Poet

ڈاکٹر روبینہ یاسمین

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

Abstract:

This research explores the ghazal poetry of Pir Naseeruddin Naseer Gilani, highlighting his unique contribution to Urdu literature as a poet who bridges traditional and modern styles. While rooted in the classical conventions of rhyme, meter, and thematic expressions of love, mysticism, and human emotion, Naseer Gilani's poetry simultaneously incorporates modern sensibilities, contemporary issues, and innovative literary techniques. The study examines his poetic themes, stylistic devices, and the fusion of classical and modern elements, demonstrating how his work enriches the Urdu ghazal tradition while addressing the evolving cultural and social contexts of his time. By analyzing a selection of his ghazals, this paper aims to offer insights into the adaptability of classical forms in modern literary expression and the continuing relevance of ghazal as a literary genre.

Keywords:

Pir Naseeruddin Naseer Gilani, Urdu Ghazal, Traditional Poetry, Modern Ghazal, Literary Style, Poetic Innovation, Classical and Contemporary Fusion

پیر نصیر الدین نصیر گیلانی اردو ادب کے معاصر شعری منظر نامے میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کی غزل گوئی میں کلاسیکی روایت اور جدید رجحانات کا امتزاج نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ وہ نہ صرف روایتی غزل کے اصولوں جیسے ردیف، قافیہ، بحر اور عروضی حسن کو برقرار رکھتے ہیں بلکہ معاصر موضوعات، سماجی مسائل اور انسانی نفسیات کی باریکیاں بھی اپنے کلام میں مؤثر انداز میں شامل کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں عشق، تصوف، انسانی جذبات، اور فکری فلسفہ کے موضوعات پائے جاتے ہیں، جو قاری کو نہ صرف جمالیاتی لطف فراہم کرتے ہیں بلکہ فکر و نظر کی وسعت بھی عطا کرتے ہیں۔ نصیر گیلانی کی شاعری میں روایت اور جدت کا توازن اس بات کی علامت ہے کہ اردو غزل کی کلاسیکی بنیادیں آج بھی نئے دور کے فکری اور جذباتی تقاضوں کے مطابق ڈھل سکتی ہیں۔ اس تحقیق کا مقصد پیر نصیر الدین نصیر گیلانی کی غزل گوئی کے اس منفرد امتزاج کا مطالعہ کرنا ہے، تاکہ ان کی شاعری میں روایتی حسن اور جدید فکری رجحانات کی ہم آہنگی کو سمجھا جاسکے اور اردو غزل کے ارتقاء میں ان کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔

پیر نصیر الدین نصیر نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ جن میں حمد، نعت، منقبت اور غزل اہم ہیں۔ ان کی غزل گوئی میں استاد شعراء کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ان کی غزل گوئی بھی دیگر صوفیاء کی طرح کلاسیکل روایات سے جڑی ہوئی ہے۔ ان کی غزل میں موضوعات کا تنوع بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی غزلوں میں فارسی الفاظ اور تراکیب بھی رنگ جمائے نظر آتی ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر کا رنگ تغزل وہی ہے جو ہر دور میں اردو غزل کا تقاضا رہا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کے ہاں بھی وہی مضامین ہیں جن کا اظہار ہر دور کے غزل گو شعراء کے ہاں ملتا ہے مگر ان کا انداز یکتا و یگانہ ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کلاسیکل شاعری کے دائرے میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں مگر ان کے ہاں خیالات میں جدت اچھوتا پن پیدا کرتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے ان پابندیوں کو پورے طریقے سے نبھایا

جو کسی بھی شعری روایت کی ضرورت ہوتی ہیں۔ ان کے انہی شعری محاسن کی طرف ڈاکٹر توصیف تبسم بدایونی نے بلیغ انداز میں اشارہ کیا۔

”پیر نصیر روایتی مضامین کو محض دہراتے نہیں، بلکہ رنگ تغزل کی فنی و لسانی پابندیوں میں رہتے ہوئے، ان کی فکر اس خاص مضمون کا کوئی نہ کوئی ایسا رخ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے کہ شعر میں بار بار کہی ہوئی بات میں بھی ایک تازگی اور لطف خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔“ (۱)

پیر نصیر الدین نصیر نے خانقاہی ماحول میں آنکھ کھولی اور ان کی پرورش صوفیا کی روحانی صحبت میں ہوئی۔ بچپن سے ہی ان کا واسطہ صوفیوں، درویشوں اور صوفیانہ طریقہ سلوک سے رہا، جس نے ان کی شخصیت اور فکر پر گہرا اثر چھوڑا۔ خانقاہوں میں بیٹھے بوریا نشین شعراء کو معارف باطنی، رموز تصوف اور سلوک کے لطائف کو اشعار کی صورت میں بیان کرنے کا فن بڑی مہارت سے آتا ہے، لیکن اس کے باوجود اکثر شعراء کے اشعار میں یہ موضوعات محض خیالی یا علمی سطح پر ہوتے ہیں، ذاتی تجربے کی شدت اور گہرائی سے عاری رہتے ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر کے ہاں صورت حال اس کے برعکس ہے۔ ان کے اشعار میں تصوف، سلوک اور باطنی تجربات کا ذکر نہ صرف علمی یا نظریاتی سطح پر موجود ہے بلکہ یہ ان کی ذاتی واردات اور روحانی مشاہدات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ جب وہ تصوف کے پیچیدہ مضامین اور روحانی رموز کو بیان کرتے ہیں تو ان کے کلام میں تازگی، شعور کی گہرائی، اور باطنی حلاوت محسوس کی جاسکتی ہے، جو قاری کو نہ صرف جمالیاتی لطف دیتی ہے بلکہ فکری اور روحانی ارتقاء کا بھی احساس دلاتی ہے۔

ان کی غزلوں میں فلسفہ زندگی اور انسان کی داخلی کیفیات بھی نہایت نفاست اور سنجیدگی کے ساتھ ڈھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیگر اردو شعرا اکثر اپنے مزاج اور ذاتی جذبات پر مبنی اشعار تخلیق کرتے ہیں، جبکہ پیر نصیر الدین نصیر اپنے اشعار میں حال اور موجودہ تجربات کی بنیاد پر کلام تخلیق کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں تصوف کے رموز اور روحانی حقیقتیں محض موضوع نہیں بلکہ خود ان کے شعوری اور قلبی تجربات کی ترجمانی کرتی ہیں، جو قاری کو نہ صرف فنی حسن بلکہ باطنی بصیرت بھی عطا کرتی ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری میں روایتی اور جدید عناصر، علمی اور تجرباتی تصوف، فلسفہ اور زندگی کے لطائف سب ایک ساتھ مل کر ایک منفرد اور پُر اثر ادبی منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں، جو اردو غزل کی روایت کو نہ صرف زندہ رکھتا ہے بلکہ اسے نئے فکری اور جمالیاتی افق سے بھی ہمکنار کرتا ہے۔

تجلی کا ایسا اثر کس لیے ہے
ترا حسن دیوانہ گر کس لیے ہے
ذرا آنسوؤں سے دھلے فرد عصیاں
نصیر آپ کی چشم تر کس لیے ہے (۲)

صوف دراصل انسان کی باطنی ہوشیاری اور روحانی آگہی کا نام ہے۔ یہ صرف ایک نظریہ یا فلسفہ نہیں بلکہ انسان کے اندرونی وجود کی صفائی، تزکیہ نفس، اور محاسبہ نفس کا عملی راستہ بھی ہے۔ تصوف انسان کو اس روشنی کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو باطن میں موجود ہے، اور یہ نور ایک ایسا دائرہ ہے جس میں داخل ہونے کے بعد انسان کی روح بلندی، پاکیزگی، اور الہام کی وہ کیفیت حاصل کر لیتی ہے جسے عام انسانی تجربات میں سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان مادی دنیا میں رہتے ہوئے بھی ایسے روحانی افق تک پہنچ

جاتا ہے جس کا تصور معمولی حواس کے دائرے سے باہر ہے۔ انسان کے باطن میں ایک منفرد، الگ اور وسیع جہاں آباد ہوتا ہے، جو حقیقتاً روحانی کائنات کا عکس ہوتا ہے۔ صوفیا اور روحانی مسافر اسی باطنی جہاں کو مرکز نگاہ بناتے ہیں، اور اپنی تمام کاوشیں اسی کی طہارت اور پاکیزگی کے حصول کے لیے صرف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک باطن کی صفائی اور روحانی پاکیزگی روحانی ترقی کی بنیاد ہیں، کیونکہ بغیر تزکیہ نفس اور محاسبہ باطنی، کوئی بھی سلوک کا مسافر اپنے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی وجہ سے صوفی شعراء اپنی شاعری میں اکثر تصوف کے رموز، باطنی تجربات، اور روحانی سلوک کے لطائف کو موضوع بناتے ہیں۔ ان کے اشعار نہ صرف جمالیاتی حسن رکھتے ہیں بلکہ قاری کو انسانی روح کی گہرائیوں، باطنی کشادگی اور روحانی فہم سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ اس طرح تصوف اور اس کے مضامین نہ صرف انسان کی داخلی ترقی کی رہنمائی کرتے ہیں بلکہ ادب اور شاعری میں بھی ایک منفرد اور معنوی جہت فراہم کرتے ہیں، جو انسانی روح کی لطافت اور فکری وسعت کو ظاہر کرتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کی غزلوں میں اسی وصف کی سمت اشارے ملتے ہیں۔

خار ہی خار زمانے میں نظر آتے ہیں
اپنے دامن کو برائی سے بچا کر چلیے
روشنی ہو تو چمک اٹھتی ہے ہر راہ سیاہ
دو قدم چلیے، مگر شمع جلا کر چلیے (۳)

تصوف انسان کی باطنی معرفت اور روحانی بصیرت کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ خانقاہوں کا بنیادی وصف یہی ہے کہ یہاں کے رہنے والے لوگ خود شناسی کے ماہر بن جاتے ہیں، کیونکہ خود اپنے آپ کو پہچاننا سب سے مشکل اور لطیف کام ہے۔ انسان کو اپنے نفس کی پیچیدہ دنیا میں مسافر بننے کے لیے کئی سالوں کی جدوجہد، محنت اور عرق ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ نفس کا سرکش گھوڑا قابو میں آئے بغیر معرفت کے اعلیٰ مقامات تک پہنچنا ممکن نہیں، اور یہی وہ بنیادی اصول ہے جس پر صوفیاء کی تعلیمات استوار ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر نے اسی باطنی سفر اور انسانی روح کی گہرائیوں کو اپنی غزل گوئی کا مرکزی موضوع بنایا۔ ان کی غزلوں میں انسان کے نفس کی سرکشی، قلبی کشمکش، اور من کی وادیوں کے سفر کی عکاسی نہایت باریک بینی اور لطافت کے ساتھ کی گئی ہے۔ صوفیاء کے فلسفہ زندگی کا بنیادی مقصد نفس پر قابو پانا اور روحانی ارتقاء حاصل کرنا ہے، اور پیر نصیر الدین نصیر نے اپنے کلام کے ذریعے اس فلسفے کو نہ صرف شعوری سطح پر بیان کیا بلکہ ذاتی تجربات اور روحانی مشاہدات کی روشنی میں اسے شاعرانہ شکل بھی دی۔ ان کی غزلوں میں نہ صرف تصوف کی رموز کی عکاسی نظر آتی ہے بلکہ قاری کو انسانی وجود کے باطنی جہتوں، معرفت کی منزلوں، اور روحانی سلوک کے لطائف سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے۔ یوں پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری، باطنی تجربات، فلسفہ تصوف، اور ادبی حسن کو یکجا کر کے اردو غزل کے لیے ایک منفرد اور معنوی جہت فراہم کرتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے اسی کیف و سرور کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کہہ رہا ہے یہ زندگی کا سفر
پاؤں ہر دم رکاب میں رکھیے (۴)

تصوف میں انسانی فطرت اور اس کے پیچیدہ جذبات کا گہرا جائزہ لیا جاتا ہے۔ انسان کی بے جا خواہشات اور نفسانی اشتہارات اکثر اسے ذلیل، کمزور اور اخلاقی طور پر پست کر دیتی ہیں، اور اسی تناظر میں تصوف میں تزکیہ نفس کو سب سے پہلی اور بنیادی منزل قرار دیا جاتا ہے۔ تزکیہ نفس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات اور لذت طلبی کو محدود کرے اور ان پر قابو پانے کی کوشش کرے، تاکہ روحانی ارتقاء اور باطنی سکون حاصل کیا جاسکے۔ صوفیاء نے انسان کی خواہشات کو قابو میں رکھنے کے لیے متعدد عملی اور

روحانی طریقے متعارف کروائے ہیں، جو انسان کو نفس کی غلامی سے آزاد کر کے اعلیٰ روحانی مقامات تک پہنچاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جوانی اور جسمانی کشش ہر انسان کے لیے فطری کشش رکھتی ہے، اور ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی جوانی دیر پا رہے اور بڑھاپے کی سایہ فضا میں گھل نہ جائے۔ یہ انسانی فطرت کا ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جس میں اکثر انسان شدید الجھن اور اضطراب کا شکار رہتا ہے۔

تصوف کی تعلیمات انسان کی نفسیاتی اور روحانی پیچیدگیوں کا حل پیش کرتی ہیں اور انسان کو اپنی اندرونی دنیا کی پہچان کی طرف رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ صوفیاء انسان کو اس بات کی تربیت دیتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشات کو محدود کرے، نفس کی خود غرضی اور سرکشی سے آزاد ہو، اور اپنی باطنی صلاحیتوں اور روحانی ظرفیت کو پہچانے۔ اس طرح انسان نہ صرف اپنے اخلاقی معیار کو بلند کرتا ہے بلکہ اپنی روحانی ترقی کے راستے پر بھی گامزن ہوتا ہے۔ نتیجتاً، اس کے باطن کی دنیا میں سکون، پاکیزگی اور معرفت پروان چڑھتی ہے، جو انسان کو مادی دنیا کی الجھنوں اور فکری اضطراب سے بالاتر کر کے ایک اعلیٰ روحانی مقام تک پہنچاتی ہے۔ تزکیہ نفس، خواہشات پر قابو پانے، اور باطنی تصفیہ کے یہ تمام مراحل پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی میں نہایت وضاحت اور جمالیاتی حسن کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں انسان کی فطرت کی پیچیدگیاں، نفسیاتی تقاضے، اور روحانی ارتقاء کے مراحل نہ صرف موضوع کے طور پر پیش کیے گئے ہیں بلکہ شاعر کی ذاتی تجربات اور باطنی مشاہدات کے ذریعے ان میں حقیقت پسندی اور گہرائی بھی شامل کی گئی ہے۔ یوں پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری نہ صرف صوفیانہ فلسفہ کی ترجمانی کرتی ہے بلکہ انسانی نفس کی نفسیاتی اور روحانی جہتوں کو بھی ادبی حسن کے ساتھ نمایاں کرتی ہے، جو اردو غزل کی روایت میں ایک منفرد اور قابل قدر مقام فراہم کرتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے بھی انسانی ہوس، لالچ اور اسی نفسیاتی الجھن کو موضوع بنایا ہے۔

آدمی ، وہ ہوس کا پتلا ہے
زندگی بھر شباب مانگے گا (۵)

تصوف اور سلوک کی راہوں کے مسافروں کی منزل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر اپنی غزلوں میں اس حقیقت کا کھل کے اظہار کرتے ہیں۔ حضور ﷺ سے محبت و عشق کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے کہ انسان ہر حال میں ان کی یاد کو مرکز و محور بنائے رکھے۔ صوفیاء کی خانقاہوں کا یہ وصف ہے کہ دنیا بھر کے علوم و فنون کا دھارا سوائے مکین گنبد خضراء ہی موڑتے ہیں۔ ان کی ہر بات کا اختتام حضور ﷺ کی محبت پر ہی ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں یہی محبت ہے جو انسان کو فاتح عالم بنا دیتی ہے۔ ان کو آقا ﷺ کی نسبت پہ ہر دم ناز رہتا ہے۔ وہ عشق رسول ﷺ کے جام پیتے اور پلاتے ہوئے ساری زندگی گزار دیتے ہیں۔ ان کی زندگی کی ہر اداسے محبت رسول ﷺ کی خوشبو آتی ہے۔ عشق رسول ﷺ ان کی زندگی اور ہر عمل کا نمایاں پہلو ہوتا ہے۔ اس لیے جب وہ غزل بھی کہیں تو اچانک اپنے احساسات کا رخ حضور ﷺ کی ذات کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ ان کے مجازی عشق کے سارے قافلے بھی سوئے حجاز ہی رواں دواں رہتے ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر کی غزل میں نعت کا رنگ اک عجب سا کیف پیدا کرتا ہے۔ ان کو اپنی نسبت پر بھی فخر ہے۔ وہ اپنی تمام کامرانیوں کو حضور ﷺ سے منسوب کرتے ہیں۔

ساقی کوثر و تسنیم سے نسبت ہے نصیر!
کیوں نہ دنیا میرے میخانے کے چکر کاٹے (۶)

پیر نصیر الدین نصیر نے اپنی نسبتی تعلقات اور روحانی موقف پر بھی واضح تفاخر کا اظہار کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صوفیا اپنے زمانے کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی دنیاوی شان و مرتبہ کو خاطر میں نہیں لاتے، اور ہر دور میں ان کا اپنا ایک منفرد طریقہ کار اور طرز عمل ہوتا ہے۔ ان کے در پر بڑے بڑے بادشاہ بھی عاجزی کے ساتھ سر جھکائے کھڑے نظر آتے ہیں، لیکن حقیقی بادشاہت اور سلطنت صوفیوں کے روحانی وجود اور باطنی سرمستی کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ یہ خدا مست درویش اپنے مخصوص طرز زندگی میں مست رہتے ہیں، جو دنیاوی تعاقب اور شہرت سے مکمل آزاد ہوتا ہے۔ صوفیا اپنے سلسلہ محبت اور من کی روحانی مستی پر فخر کرتے ہیں اور دنیاوی لالچ سے بے رغبتی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شان فقر کے فیض سے عطا ہوتی ہے۔ فقر کی یہ روحانی دولت انہیں اس قدر مالامال کرتی ہے کہ دنیا کے عہدوں، منصبوں اور معاشرتی مرتبوں کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ وہ اسی باطنی فقر اور روحانی آزادی میں مست رہتے ہیں، اور اسی میں اپنی سلطنت اور حقیقی بادشاہت کا شعور محسوس کرتے ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر نے اپنی غزلوں میں ان روحانی نسبتوں اور سرمستی کا کھل کر اظہار کیا ہے۔

ان کی غزلوں میں صوفیانہ فخر، عشق حقیقی اور من کی مستی کی عکاسی نہایت واضح اور ہمالياتی حسن کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ اگر آپ ہندوستان کے مشائخِ چشت کے حالات و احوال کا مطالعہ کریں تو یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ ان خدا مست درویشوں نے اپنی باطنی سرمستی میں ایسا طرز زندگی اپنایا کہ اس دور کے سلاطین بھی ان کی خانقاہ پر حاضری کو شرف سمجھتے اور فخر محسوس کرتے تھے۔ ہندوستان کے سلاطین کے لیے مشائخِ چشت سے نسبت ہمیشہ اعزاز اور فخر کا باعث رہی، اور یہ تعلق روحانی فضیلت اور باطنی معرفت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ یعنی پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی میں نہ صرف صوفیانہ فلسفہ اور فقر کی دولت کی تصویر کشی ہوتی ہے بلکہ اس کے ذریعے قاری کو یہ بھی دکھایا جاتا ہے کہ حقیقی سلطنت اور بادشاہت دنیاوی عہدوں اور شہرت میں نہیں بلکہ باطنی معرفت، روحانی مستی اور عشق حقیقی میں پوشیدہ ہے۔ پیر نصیر نے بھی اپنی چشتی نسبت کو بادشاہوں سے تعلق پر ترجیح دی ہے۔

ترے سنگ در پہ جو ہوا ادا ، وہی ایک سجدہ ہے کام کا
یہی اک نماز ہے عشق کی جو بغیر شرط امام ہے
میں نصیر فقر سرشت ہوں ، کہ مرید ساقی چشت ہوں
مجھے بادشاہوں سے کام کیا ، انہیں دور ہی سے سلام ہے (۷)

غزل میں غنائیت اور ترنم دوسری اصنافِ سخن سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزل گوئی میں قافیہ وردیف کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ غزل گوئی کا حسن ہی موسیقیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ مترنم بحریں اور ایسے مصرعے جن سے شعر کے باطن میں موسیقیت کی لہر پیدا ہوتی ہے کسی بھی شاعر کا کمال ہوتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر اور ساز سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر نصیر الدین نصیر کی غزلوں میں بھی بحروں اور موسیقیت کی رچم اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

ان کے جلووں سے مزین دونوں آنکھیں ہیں مری
ان کا خاکہ ، ان کا نقشہ ، ان کی صورت دل میں ہے
ان کی حسرت ، ان کا ارمان ، ان کی الفت ، ان کا غم
کیا بتائیں ، کیا کہیں ، کیا کیا ہمارے دل میں ہے (۸)

پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی میں فصاحت و بلاغت اور محاورات کا استعمال ایک منفرد رنگ اور جمالیاتی لطافت پیدا کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں روزمرہ کے الفاظ اور محاورات کا بر محل اور مناسب استعمال ان کی قادر الکلامی اور زبان پر مکمل عبور کی واضح عکاسی کرتا ہے۔ ہر شعر میں لفظی اور معنوی محاسن کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور ان کے اشعار میں ردیف و قافیہ کی شگفتہ بندش ایک غیر معمولی معنویت اور موسیقیت کا احساس پیدا کرتی ہے، جو قاری کو نہ صرف جمالیاتی لطف دیتی ہے بلکہ ذہنی اور فکری تسکین بھی فراہم کرتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے غیر مانوس تراکیب اور منفرد ردیفوں کو بھی نہایت سلیجے اور موزوں انداز میں استعمال کیا ہے، جس سے ان کی غزل گوئی میں ایک خاص لطافت اور لطف دو بالا محسوس ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں لفظوں کی چابکدستی، خیال کی روانی، اور معنوی گہرائی ایک ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے، جو اردو غزل کی روایت میں ایک نیا اور منفرد فنی معیار قائم کرتی ہے۔ یوں ان کی غزلیں محض لفظوں کا کھیل نہیں بلکہ ایک ایسا ادبی تجربہ ہیں جس میں فصاحت، بلاغت، معنویت، اور فنِ محاورہ کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

بے وفا بھی رہے ، خفا بھی رہے
آپ بھی ہیں بڑے عجب کوئی (۹)

انہوں نے لفظی صنعت گری کا استعمال بھی بڑی مہارت سے کیا ہے اور اپنی غزلوں میں تجنیس اور ترصیع کو بھی بخوبی نبھایا ہے۔

خدا گواہ کہ اہل نظر کے مشرب میں
شراب حسن سے بہتر کوئی شراب نہیں (۱۰)

پیر نصیر الدین نصیر غزل گوئی میں عشق و محبت کی سرمستی کو بیان کرنے کے لیے نشہ شراب سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی شاعری میں میکدہ، جام، ساغر، میخوار، مے نوش، رند اور ساقی کی اصطلاحات ہر سو جلوہ گرد دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی غزل میں میکدے کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ ان کے غزلوں میں میکدہ اور مے نوشی پر بہت سے اشعار ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر صوفی شاعر ہیں اور خانقاہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان کے یہاں یہ سارے الفاظ عشق حقیقی کے ضمن میں آتے ہیں۔ صوفیا بھی اپنے ہاں انہیں اصطلاحات کو استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ صوفیاء کے ہاں خدا اور اس کی صفات کا ذکر بڑے تزک و احتشام سے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری میں جا بجا مے نوشی کا ذکر ملتا ہے۔ مے نوشی سے مراد یہاں شراب طہور اور شراب معرفت ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

تیرے قربان تیری اس یاد کے لمحے پہ نثار
جس نے شب بھر مجھے مصروف دعا رکھا ہے
کیا نصیر آنکھ اٹھے ساغر و مینا کی طرف
ان کی آنکھوں نے مجھے مست بنا رکھا ہے (۱۱)
تو اگر رکھے گا ساقی ہم سے پیانہ الگ
ہم بنا لیں گے کہیں چھوٹا سا میخانہ الگ
پی رہا ہوں جی رہا ہوں شاد ہو سرشار
دل لگی مے سے الگ ساقی سے یارانہ الگ

میکدے میں اب بھی اتنی ساکھ ہے اپنی نصیر!
ایک ہمارے نام کا رہتا ہے پیانہ الگ (۱۲)

غزل گو شعراء نے حسن ادا کا اک خاص پہلو نکالا ہے کہ وہ محفل خیال سجاتے ہیں اور اسی میں ایک دوسرے سے گفتگو کیے جاتے ہیں۔ اسی خیال آفرینی کا سبب وہ زہد کی برائی اور رندی اور شراب و میکدے کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ ایسا موضوع ہے جو غزل کی ساخت میں نہایت خوبی سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں رمز و ایماء کی تکنیک کے پر تو نظر آتے ہیں۔ غزل گو شعراء انسانی جذبوں سے مملو ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ جانتا ہے کہ عرفان شناسی کے لیے مذہبی حد بندیوں کو بالائے طاق رکھ کر ہی منزل کی جانب بڑھا جاسکتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے بھی اسی سمت توجہ کی ہے۔ اس لیے ان کی شاعری میں یہ ساری علامتیں اک عارف کی ذات کے جلوے ہیں جن کو وہ میکدہ اور شراب کے پیر بن میں پیش کر رہا ہے۔

کون کافر ہے جو ہے منکر ے
آپ ایک گھونٹ پلائیں تو سہی
کھینچ کے آ جائیں گے ے خوار کو نصیر
میکدہ آپ سبائیں تو سہی (۱۳)
جب بھی ساقی نے مجھے پوچھ لیا ہنس کے نصیر
چوم کر جام وہیں ، میں نے کہا “اور بھی کچھ“ (۱۴)
کل نصیر اک جام کا ملنا ہمیں دشوار تھا
آج آنکھوں میں لیے بیٹھے ہیں اک میخانہ ہم (۱۵)

مسجد و بت خانہ یا کعبہ و میکدہ کی رمزی علامات بھی قابل ذکر ہیں کہ زہد و گناہ کے تصورات ان کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفی شعراء کے ہاں ان کے مجازی معنی مراد ہیں۔ یہ الفاظ رمز و ایماء کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ غزل گو شعراء اپنے قلب و نظر کی وسعت کو بیان کرنے کے لیے ان لفظوں کو شعری علامتوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر نے بھی اپنی باطنی وسعتوں کو انہی علامتوں کے ذریعے عیاں کیا ہے۔

میکدے میں آنے والو! میکدہ مت چھوڑنا
مرنے جینے کا مزا کچھ ہے تو میخانے میں ہے
پی رہا ہوں، جی رہا ہوں، شاد ہوں، مسرور ہوں
زندگی ہی زندگی لبریز پیانے میں ہے (۱۶)

انھوں نے میکدہ اور مے نوشی کا جس اسلوب میں ذکر کیا ہے اس کی رمزیت اور بلاغت کا بیان ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے کچھ باتیں کہی ہیں اور کچھ باتوں کو پردے میں رکھا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنے میں دشواری کا سامنا ہے کہ جو باتیں بیان کر دی گئی ہیں ان میں لطافت زیادہ ہے یا جو باتیں چھپائی گئیں ان میں لطافت وافر ہے۔ ان کا یہی وصف ان کے اثر تغزل کی اعلیٰ ترین معراج کو ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے محبوب کی ادائیں اور شراب کے نشے میں عجب مماثلت ڈھونڈی ہے جس کا انداز بھی بڑا منفرد ہے۔

زلف کی اوٹ سے چمکے وہ جبیں تھوڑی سی

دیکھ لوں کاش! جھلک میں بھی کہیں تھوڑی سی
میکدہ دور ہے، مسجد کے قریں، تھوڑی سی
میرے ساقی ہو عطا مجھ کو یہی تھوڑی سی (۱۷)

ہنگامہ ہستی کی کرشمہ سازیوں میں اور پری چہروں کی ادائیں اور ان کی شکن زلف عنبرین اور نگہ سرمہ سائیں ارباب عرفان کے لیے تجلیات الہی کی جلوہ فرمایاں موجود ہوتی ہیں جو انسان کا حقیقی مطلوب ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک وہ اسی تجلی الہی کی طرف لپکتے ہیں تا کہ اپنے آپ کو اس کے نور سے منور کر سکیں۔ صوفی شعراء نے اسی باطنی جذب کو ہی اپنے اشعار میں پرویا ہے۔ ان کا یہی انداز وسیع المشربی کو اجاگر کرتا ہے جو ان کے رنگ تغزل کی حقیقی روح ہے۔ ان سارے معاملات کے لیے بنیادی ضرورت حسن و عشق کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق و محبت پر فخر کرنا شعراء کا اک اہم طریق رہا ہے اردو غزل گو شعراء اپنے عشق و محبت کو بڑے ہی تفاخر سے بیان کرتے ہیں۔ عشق ہی ان کی میراث ہوتا ہے جس پر وہ ہمیشہ نازاں رہتے ہیں۔ عشاق کا اپنا ہی طرز زندگی ہوتا ہے وہ عقل کے پیانوں میں ناپ کر معاملات کو طے نہیں کرتے بلکہ وہ عشق کی بنیاد پر اپنے اعمال کو پرکھتے ہیں۔ عشق و مستی میں بنیادی وصف جو اپنا کردار ادا کرتا ہے وہ حسن ہوتا ہے۔ حسن کی نزاکتوں سے لطف اٹھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتا۔ عشاق ہی ہوتے ہیں جو حسن کے قدردان ہوتے ہیں۔ ان کو یہی خبر ہوتی ہے کہ حسن کو کیسے امام بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر نصیر نے بھی عشاق کے اسی طرز عمل کی توصیف کی ہے۔

بزم ساقی میں اور کیا واعظ!
رند ہوتے ہیں، جام ہوتے ہیں
مسجد عشق میں نصیر! چلو
حسن والے، امام ہوتے ہیں (۱۸)

محبت اور عشق کی راہوں میں حسن ہمیشہ سے بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ حسن ایک ایسا جادو ہے جو انسانی حواس پر چھا جاتا ہے اور اس کے اثرات ابتدا میں مدہم محسوس ہوتے ہیں، لیکن رفتہ رفتہ یہ اثر انسان کے باطن میں گہرائی تک پہنچتا ہے اور روح و دل میں ایک عجیب قسم کی حرارت اور رقص پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ تجربہ ہے جو انسان کو جمالیاتی لذت اور روحانی سکون کے ساتھ ساتھ باطنی سرور بھی عطا کرتا ہے۔ اگر محبت کی راہ کا مسافر خود شاعر ہو، تو یہ رقص لفظوں اور اشعار کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی میں یہ حسن اور جادو اپنی عروج پر نظر آتا ہے، جہاں ہر لفظ، ہر مصرع اور ہر ردیف انسانی جذبات اور روحانی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کے ہاں لفظوں کا انتخاب، تراکیب کی باریکی اور شعری روانی اس رقص کو نہ صرف ادبی حسن دیتی ہے بلکہ قاری کو بھی اس باطنی رقص میں شریک کر دیتی ہے۔ ان کی غزلوں میں حسن کی یہ موجودگی محض ظاہری حسن تک محدود نہیں رہتی بلکہ یہ باطنی جمال، روحانی لطافت اور انسانی دل کی باریکیوں تک بھی گہرائی میں اترتی ہے۔ یوں ہر شعر قاری کو نہ صرف جمالیاتی لذت فراہم کرتا ہے بلکہ اسے انسانی محبت اور عشق کی پیچیدہ اور لطیف راہوں سے بھی روشناس کرتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی میں حسن کی یہ مرکزی حیثیت، عشق کے جذبے اور فنی مہارت کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے، جو اردو غزل کی روایت میں ایک نادر اور ممتاز مقام رکھتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے بھی اسی طرح کی کیفیات کا اظہار کیا ہے۔

ان کا جلوہ جو عام ہو جائے

حشر برپا تمام ہو جائے
مسکرا کر جو دیکھ لیں وہ مجھے
غم کا قصہ تمام ہو جائے
کاش اس صبح زندگی کی نصیر
کوئے جاناں میں شام ہو جائے (۱۹)
شباب آیا حجاب آیا ادائیں آگئیں ان کو
نہیں آیا تو انداز وفا اب تک نہیں آیا
نصیر اس نے دم رخصت نہ کیا کیا کھائی تھیں قسمیں
مگر دیکھو ذرا وہ بے وفا اب تک نہیں آیا (۲۰)

پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محبت کی نزاکتوں اور لطافتوں سے کما حقہ آگاہ تھے۔ انھوں نے جس انداز میں محبت کی باریکیوں کو بیان کیا ہے یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو ان راہوں کا مسافر ہو۔ پیر نصیر الدین نصیر کا باطن سوز و گداز سے گندھا ہوا تھا۔ ان کے باطنی سوز و گداز کا رنگ ان کے اشعار میں نظر آتا ہے۔ محبت کی لطافت کو جس انداز میں انہوں نے بیان کیا یہ انہی کا خاصہ ہے۔

محبت ناز ہے یہ ناز کب ہر دل سے اٹھتا ہے
یہ وہ سنگ گراں ہے جو بڑی مشکل سے اٹھتا ہے
لگی میں عشق کی شعلہ کوئی مشکل سے اٹھتا ہے
جلن رہتی ہے آنکھوں میں دھواں سا دل سے اٹھتا ہے
تیری نظروں سے گر کر جب کوئی محفل سے اٹھتا ہے
بڑی دقت بڑی زحمت بڑی مشکل سے اٹھتا ہے (۲۱)

زندگی کے تلخ ترین حقائق اور انسانی مصائب محبت کے جذبے کو وقتی طور پر مغلوب کر سکتے ہیں، لیکن انہیں مکمل طور پر ختم کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہی حقیقت پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری میں بھی واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کے ہاں عشق کا تصور نیا نہیں ہے، بلکہ انھوں نے کلاسیکی رنگ اور روایت کو ایک منفرد اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے عشق کو ایک نئی رسم یا اختراع کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ انھوں نے اس بنیادی اور قدیم جذبے کو اپنی فکری اور ادبی مہارت کے ساتھ اس انداز میں بیان کیا ہے کہ یہ نئے معنی، روحانی گہرائی اور جمالیاتی حسن کے ساتھ قاری کے ذہن اور دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ان کی غزلوں میں عشق نہ صرف محبت کی ظاہری کیفیت بلکہ انسانی روح کی داخلی کشش، نفسیاتی پیچیدگیاں اور باطنی جذبات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے عشق کو اپنے کلام میں کلاسیکی الفاظ، تراکیب اور شعری علامات کے ذریعے اس طرح ڈھالا کہ اس کا ہر شعر نہ صرف روایت کی گواہی دیتا ہے بلکہ معاصر قاری کے لیے بھی تازگی اور معنویت کا باعث بنتا ہے۔ ان کی شاعری میں عشق اور محبت کا جذبہ اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ یہ قاری کو جمالیاتی لذت کے ساتھ ساتھ ایک روحانی اور فکری تسکین

بھی عطا کرتا ہے، اور اسے انسانی تجربات اور احساسات کے پیچیدہ منظر نامے سے بھی روشناس کراتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی میں عشق کا رنگ کلاسیکی ہے، مگر اس کی پیشکش میں جدید فکر، روحانی گہرائی اور ادبی حسن کا حسین امتزاج موجود ہے، جو انہیں موجودہ دور کے اردو شعراء میں ایک منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

خاک وعدوں پہ ڈالتے جاؤ
تم ہمیں روز، ٹالتے جاؤ
عشق کرنا نہیں گناہ مگر
روگ ہے روگ، پالتے جاؤ (۲۲)

پیر نصیر الدین نصیر کو اپنے فن پر بڑا ناز تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں استاد شعر کا رنگ اپنے جو بن پر نظر آتا ہے۔ ان کی فنی اور فکری پختگی ان کے اشعار سے عیاں ہے۔ ایک دفعہ ایک شاعر نے پیر نصیر الدین نصیر کو ایک مصرع لکھ کر بھیجا۔ اس نے کہا کہ اگر آپ اس زمین میں پانچ شعر کہہ دیں تو میں آپ کو استاد مان لوں گا۔ پیر نصیر الدین نصیر نے اس زمین میں بارہ اشعار کہے اور اس ہم عصر شاعر کو لکھ بھیجا کہ آپ مجھے اساتذہ میں شمار نہ کریں بلکہ تلامذہ میں ہی رہنے دیں۔ اس غزل کے چند اشعار قابل غور ہیں۔

ہر بول اس کا روح کے آزار چاٹ لے
جس کی زبان خاک دریاں چاٹ لے
رہتا ہے زلف یار تیری چھاؤں میں یہ دل
جب تیز دھوپ سا اشجار چاٹ لے
منکر جو ہو نصیر کے فضل و کمال کا
کہہ دو اسے نوشتہ دیوار چاٹ لے (۲۳)

محبت کی کیفیات ہمارے مانوس تجربات سے تعلق رکھتی ہیں اور عام انسانی زندگی کے قریب تر ہیں۔ ان تجربات میں کسی قسم کے فلسفہ کا دخل نہیں ہوتا مگر ان میں ندرت ضرور ہوتی ہے۔ کسی شعریا کسی تخلیق میں فلسفہ کے علاوہ بھی کوئی ایسی شے ہوتی ہے جو ہمیں اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور ہم اس سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں جو فلسفہ سے بھی شاید حاصل نہ ہو۔ پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری میں محبت و عشق کے اسی احساس کو اشعار کے پیر ہن میں پیش کیا گیا ہے۔ محبت و غم لازم و ملزوم ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر کے ہاں ماتمی فضا نہیں ہے بلکہ ان کے محبوب کی ادائیں اور اس کی دلفریبیاں محبت کی راہ کا سب سے قیمتی اثاثہ ہیں۔ محبت کی راہوں میں عاشق پر ہونے والے ظلم و ستم یادگار بن گئے ہیں۔ محبوب کی جفائیں، اس کے ستم اور اس کا ظلم ہمیشہ نئے خیالات کو جنم دیتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کے ہاں ان خیالات کی فراونی پائی جاتی ہے۔

پیر نصیر الدین نصیر کے استعاروں اور تشبیہوں کے پردے میں چھپی ہوئی گہری حسیت ان کی عصری شعور کی گواہی دیتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کے ہاں نادر و نایاب ردیفیں بھی رنگ جمائے نظر آتی ہیں۔ انہوں نے مختلف الفاظ کو ردیف بنا کر معاملات محبت کو امر کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی غزل میں دل کا ردیف بنایا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی موجودہ دور میں کلاسیکیت کے تمام رنگ لیے ہوئے ہے۔ ان کی غزلیں نہ صرف روایتی صنف کی تمام جمالیاتی اور فنی خوبیوں کی عکاس ہیں بلکہ ان میں فلسفیانہ خیالات، انسانی نفسیات کی باریکیاں اور روحانی وسعت بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں سادہ اور سہل انداز میں محبت، عشق، اور

انسانی تعلقات کے معاملات بیان کیے گئے ہیں، جس سے قاری کو نہ صرف فنی لطف حاصل ہوتا ہے بلکہ ایک معنوی اور روحانی سکون بھی ملتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کی غزلوں میں وحدت الوجود، صوفیانہ رنگ اور روحانی معرفت کی جھلک بھی پوری طرح آب و تاب کے ساتھ نظر آتی ہے۔ یہ خصوصیات انہیں موجودہ دور کے ایک مکمل شاعر کے طور پر ممتاز کرتی ہیں، کیونکہ ان کی شاعری میں فلسفہ، روحانیت اور فنی حسن کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کی شعری محاسن ان کی فکری اور ادبی خوبیوں کی بہترین گواہی دیتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ پیر نصیر الدین نصیر نے نہ صرف غزل کی کلاسیکی بنیادوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا بلکہ اسے عصری فکری اور جمالیاتی تقاضوں کے مطابق بھی ڈھالا۔

اگرچہ پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری میں خانقاہ کی روحانی اور صوفیانہ چھاپ واضح ہے، لیکن یہی خصوصیت ان کے کلام کو ایک منفرد فکری اور ادبی حیثیت بھی عطا کرتی ہے۔ بلاشبہ، اگر خانقاہ کا یہ پس منظر نہ ہوتا تو موجودہ دور کے ادبی حلقے ان کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے، کیونکہ ان کی غزلیں کلاسیکی اور عصری حسن کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر بلاشبہ خانقاہ گوڑہ شریف کی شعری روایت کے سب سے بڑے اور مکمل شاعر ہیں۔ انھوں نے اس روایت کو اپنے منفرد فکری وژن، فنی مہارت اور روحانی بصیرت کے ذریعے اوج کمال تک پہنچایا، اور ان کی غزلوں کے متعدد اشعار نہ صرف ادبی محافل میں بلکہ عوامی سطح پر بھی زبان زد عام ہیں۔ یوں پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی، خانقاہی روایات، کلاسیکی حسن، صوفیانہ رنگ، فلسفیانہ گہرائی اور آسان فہم انداز کے حسین امتزاج کی نمائندگی کرتی ہے، جو اردو غزل کے موجودہ منظر نامے میں انہیں ایک ممتاز اور غیر معمولی مقام عطا کرتی ہے۔ اسی لیے تو پیر نصیر الدین نصیر نے اپنی شاعری پر خود بھی تفاخر کیا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر کی شاعری میں جدت اور قدامت کا ایک منفرد سنگم محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ان کی غزل گوئی کے پیچھے ایک مستحکم اور گہری فکری بنیاد کار فرما ہے، جس نے ان کے کلام کو نہ صرف زندہ اور بامعنی بنایا بلکہ اردو غزل کے معیار کو نئے فکری اور جمالیاتی افق تک بھی پہنچایا۔ پیر نصیر الدین نصیر نے اپنے فکری اثاثے کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس میں مسلسل اضافہ بھی کیا، اور اپنے حال کو شعوری طور پر ماضی سے جوڑنے کی کوشش کی، جس میں وہ کسی حد تک نہایت کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ماضی کو حال کے تناظر میں زندہ کرتے ہوئے خانقاہ گوڑہ شریف کی شعری میراث کو نئی نسل تک پہنچانے کا بھی کام انجام دیا۔ ان کی غزلوں میں باطنی واردات اور روحانی مشاہدات کا نمایاں کردار ہے، اور یہی باطنی واردات ان کے شعری تلازموں اور لطافتوں میں عجب قسم کی سرمستی اور روحانی کشش پیدا کرتی ہے۔ ان کی غزلیں محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسا روحانی اور فکری تجربہ ہیں جو قاری کو جمالیاتی لذت کے ساتھ فکری اور روحانی گہرائی بھی عطا کرتا ہے۔

پیر نصیر الدین نصیر نے کلاسیکل غزل کے روایتی الفاظ اور علامات کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے کلام میں شامل کیا ہے۔ میکدہ، جام، لالہ، چاندنی، خوشبو، نسترن، عندلیب، باغ، چمن، گلستان، اور ریحان جیسے الفاظ موجودہ دور میں بعض نقادوں کے نزدیک فرسودہ اور قدامت پرست تصور کیے جاتے ہیں، لیکن پیر نصیر الدین نصیر نے انہیں اپنی غزلوں میں اس انداز سے باندھا کہ یہ نہ صرف فنی حسن پیدا کرتے ہیں بلکہ غزل کی روح اور روایت کو بھی زندہ رکھتے ہیں۔ ان الفاظ کا استعمال ان کی غزلوں میں تاریخی اور شعری تسلسل کا ثبوت ہے، اور یہ قاری کو کلاسیکی حسن اور عصری فکری جہت دونوں سے روشناس کرواتے ہیں۔ یوں پیر نصیر الدین نصیر کی غزل گوئی میں جدت اور قدامت کا حسین امتزاج، باطنی واردات، فکری گہرائی اور کلاسیکی حسن سب ایک ساتھ جلوہ گر ہیں، جو اردو غزل کے منظر نامے میں ایک منفرد اور مستحکم مقام فراہم کرتے ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ نصیر الدین نصیر، دست نظر، روالپنڈی: حمزہ پرویز پرنٹرز، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۲۲
- ۲۔ نصیر الدین نصیر، پیر، کلیات نصیر گیلانی، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، ص: ۳۸
- ۳۔ نصیر الدین نصیر، دست نظر، روالپنڈی: حمزہ پرویز پرنٹرز، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۷۶
- ۴۔ ایضاً، ص: ۴
- ۵۔ ایضاً، ص: ۹
- ۶۔ نصیر الدین نصیر، پیر، کلیات نصیر گیلانی، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، ص: ۷۳
- ۷۔ ایضاً، ص: ۶۷
- ۸۔ نصیر الدین نصیر، دست نظر، روالپنڈی: حمزہ پرویز پرنٹرز، ۲۰۱۲ء، ص: ۹۲
- ۹۔ ایضاً، ص: ۳
- ۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۸
- ۱۱۔ نصیر الدین نصیر، پیر، کلیات نصیر گیلانی، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، ص: ۹۱
- ۱۲۔ ایضاً، ص: ۹۶
- ۱۳۔ ایضاً، ص: ۹۳
- ۱۴۔ ایضاً، ص: ۸۳
- ۱۵۔ ایضاً، ص: ۳۹
- ۱۶۔ ایضاً، ص: ۷۷
- ۱۷۔ نصیر الدین نصیر، دست نظر، روالپنڈی: حمزہ پرویز پرنٹرز، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۷۴
- ۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۴۴
- ۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۵۲
- ۲۰۔ نصیر الدین نصیر، پیر، کلیات نصیر گیلانی، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، ص: ۷۵
- ۲۱۔ نصیر الدین نصیر، دست نظر، روالپنڈی: حمزہ پرویز پرنٹرز، ۲۰۱۲ء، ص: ۲۳۹
- ۲۲۔ نصیر الدین نصیر، پیر، کلیات نصیر گیلانی، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، ص: ۸۳
- ۲۳۔ نصیر الدین نصیر، دست نظر، روالپنڈی: حمزہ پرویز پرنٹرز، ۲۰۱۲ء، ص: ۳۰۸